Date :
Page :

BA Part - III

Paper - VIII

# ادب اور تنقید

ادب وہ مضامین ہیں جس میں زندگی کا عکس موجود ہوں یا جو زندگی کی نمائندگی کرتے ہوں اور وہ فطرت کے مطابق ہو۔ وہ اصل کی عکاسی کرنے میں کامیاب ہو جس میں کائنات اور حیات انسانی کے متعلق حقائق اور مسائل، نظریات و افکار موجود ہوں۔ زبان و اسلوب میں صداقت اور بے ساختگی ہو اور زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہو۔ سپاٹ اور بے کیف نہ ہو بلکہ گھلاوٹ، سنجیدگی اور متانت ہو۔ ادب میں جو تشبیہات اور استعارات لائے جائیں وہ برجستہ اور برمحل ہوں۔

ادب کائنات کے بکھرے ہوئے اوراق کو اکٹھا کرتا ہے۔ جوہری کو شبنم عطا کرتا ہے اور ایسی مناسبتیں پیدا کرتا ہے کہ ادب پارہ دیکھنے میں ایک شعلہ لگتا ہے جس میں کثرت میں وحدت کا حسن جلوہ گر ہوتا ہے۔

تنقید فن ادب کے مختلف اصناف کے تحت زندگی کی تفسیر ہوتا ہے۔ لیکن تنقید نوعیت کے اعتبار سے اس تخلیقی ادب سے مختلف ہے جو زندگی سے براہ راست مواد اور تاثر حاصل کرتا ہے۔ لیکن تنقید سے جو تاثر پیش کی جاتی ہے وہ بھی ایک تخلیقی ادب کی ہے۔

تخلیقی صلاحیت رکھنے والے اہل فنکار جن میں تنقیدی شعور بھی موجود ہو وہ فطری انشا ہوتے ہیں۔ ان میں حقیقی اور عمدہ تخلیقات کا سلیقہ ملکہ ہوتا ہے۔ اس طرح ان کی تصنیفات حیات بخش محرک ثابت ہوتی ہے۔

اس طرح ایک حقیقی نقاد وہ ہوتا ہے جو اپنے موضوع سے متعلق تمام تر معلومات سے مسلح ہوتا ہے۔ وہ اپنی وسعت نظری اور محنت جسمانی کے اعتبار سے درست ہو۔ تحقیق اور ادراک کے معاملے میں ہمارا دوست ہو۔ جو ہمیں فطری حسن کائنات سے قریب تر لائے اور ہمارے لیے نئی راہیں کھولے۔ تنقید کا کام متعلم کرتا ہے۔ تنقید وضاحت اور تفسیر ہے یہ تحلیل اور تجزیہ ہے جس کے ذریعہ اعلیٰ اور ادنیٰ، جھوٹ اور سچ، نیک اور بد، بیت کا معیار معلوم ہوتا ہے۔

جب کوئی نقاد کسی فن پارے پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے تو وہ صرف اس کے محاسن و معائب پر ہی نہیں بلکہ دوبارہ تخلیق کی صلاحیتوں پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔

کلیم الدین احمد تنقید اور تخلیق کے رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

"باغبان آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ پودوں کے پتے مرجھانے لگے ہیں۔ کچھ شاخیں بھی خشک ہو چکی ہیں۔ وہ ایک قینچی لیتا ہے اور پتوں اور شاخوں کو بے دردی سے کاٹ چھانٹ کرنے لگتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں شاید پودے بھی سمجھتے ہیں کہ باغبان نہایت بے درد ہے۔ بے قصور پودوں کی حسین ڈالیوں کو کاٹ کر اسے خوشی ہوتی ہے۔ جو پودے ابھی کسی خوشی سے دیکھے اور بچے ہوئے تھے اب ختم شدہ کوسے ہیں اور باغبان کی بے دردی کی شکایت کر رہے ہیں۔ لیکن باغبان کی تخلیقی نگاہیں دیکھ رہی ہوتی ہیں کہ اگر مرجھائے ہوئے پتے چھوڑ دیے جائیں اور اس کی شاخیں کاٹی چھانٹی نہ جائیں تو پودوں کی نشو و نما رک جائے گی اور آئندہ سال پھلنے پھولنے کے بجائے شاید وہ خشک ہو جائیں۔"

وہ مزید فرماتے ہیں :-

"جب فن کار کوئی نئی تخلیق کرتا ہے تو تخلیق دراصل اظہار سے ابلاغ کی طرف سفر کرتی ہے۔ نقاد تخلیق کی ظاہری جسم کو زینہ بنا کر روح تک رسائی پانے کی تدبیر کرتا ہے۔ اس طرح تکمیل کے عمل سے تخلیق کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔"

فن تنقید کی ایجاد سترہویں صدی میں انگلستان میں جارج وائٹ سن کے ذریعہ ہوئی۔ لیکن ہندوستان میں اردو ادب میں تنقید کی ابتدا "مقدمہ شعر و شاعری" کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی سے شروع ہوئی۔ اس تنقید کا مقصد صرف یہ تھا کہ شاعر کو شگفتگی کی تربیت دی جائے اور شعر تصنیفات کے باب میں اسے راہ راست دکھایا جائے۔

ادبی نظریات میں سترہویں صدی کے آخر میں پہلی بار تبدیلی واقع ہوئی۔ ادب کا مقصد "سچ" کے بجائے"

# ادب اور تنقید

حسن " کی تلاش مقصود ہوگی جس کے نتیجے میں روایتی سچ سے زیادہ حسن کو فوقیت دی گئی۔ یہاں تک کہ Beauty is truth and truth is Beauty کا نظریہ رائج ہوگیا۔ لیکن اصلاً سچ کی تلاش میں حسن کو فوقیت دینا نہیں تھا بلکہ سچ کی قدر ہی مقصود رہی ہوگی۔ جب حسن کو میزان بنانے کے خطرناک نتائج سامنے آئے اور سچ نظر سے چلا گیا تو حسن کو میزان بنا کر دیکھا اور جمالیاتی نظریہ کو فروغ دیا گیا۔

ارسطو نے Katharsis کے نظریہ کے مطابق:-

" ادب کا مطالعہ جذباتی تشنج کو رفع کر کے اعصابی تسکین مہیا کرتا ہے۔"

اس کے برعکس Longinus کا دوسرا نظریہ ادب یہ ہے۔

" ادب کا مطالعہ اس حالت جذبات کا موجب ہے جو بجائے خود اپنا ثمر ہے"۔

ارسطو کا نظریہ سچ کی جھلک پانے پر منتج ہوتا ہے لیکن Longinus کا نظریہ ادب پارے میں ڈوب کر ایک عارفانہ کیفیت اور انبساط کی تحصیل کا موجب ہے۔ اردو ادب بھی نظریۂ حسن سے متاثر ہوئی حسن کو میزان قرار دینے کی عام روش چل پڑی لیکن جدید اردو تنقید سے قبل اس پر حاوی آج جب مغربی تفکر نے تنقید کے دو نظریات وضع کر لیے ہیں۔

(۱) عقلیت (Rationalism) (۲) تجربیت (Empericism)

تو ان دونوں نظریات کے حامل مفکرین کے درمیان مباحث کا طویل سلسلہ قائم ہوا۔ عقلیت کا علمبردار (Descartes) ڈیکارٹ نے یہ اعلان فرمایا کہ انسانی ذہن ہی علم کا اصل منبع ہے۔

جب کہ اس وقت ہندوستان میں ادب کا عمودی نظریہ کارفرما تھا۔ یہ عمودی نظریہ یہ ہے کہ غیب سے مضامین آتے ہیں۔ حال اشتغراق میں معرفت حاصل ہوتی ہے ایک تخلیق کار جب عالم خود فراموشی میں چلا جاتا ہے اور عالم بالا یا عالم زندگی سے ~~معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک تخلیق کار جب عالم وجد~~ اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے تو ایک الوہی قوت کی تحویل یا دسترس میں تخلیق کار کی روح بیدار ہوتی ہے وہ ادب کو وجود بخشتا ہے۔ برصغیر ہند کی پانچ ہزار سال پر پھیلی ہوئی تاریخ کے مطالعہ سے ہم یہی پاتے ہیں کہ ہندوستان میں وہبی اور عمودی نظریہ ہی ادب کے فروغ کا ذریعہ تھی۔

جدید اردو تنقید کا پس منظر یہ ہے کہ دوسری اصناف سخن کی طرح اردو تنقید بھی مغرب سے در آمد ہوئی ہے۔ مشرق اور مغرب کی قربت کے سبب بے شمار علم و فنون کا تبادلہ ہوا ہے اور تہذیبوں کی دیوار ختم ہوئی ہے۔ جو مشہور شعر اور محبت کے جذبات ہیں وہ ان میں ہیں۔ اردو ادب مغربی تنقید کو قبول کرنے سے پہلے عربی تنقید کو اپنائے تھا۔ عربوں کے یہاں جو خصوصیت پائی جاتی تھی وہ ان کی فصاحت و بلاغت تھی۔ ان کے یہاں لفظوں کی فراوانی دراصل ان کی سلیقہ مندی اور تکلم کے جوہر کا ثبوت تھی۔ معاملات میں لفظ کی حیثیت سکہ رائج الوقت سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی ہے کیونکہ جب زبان بحیثیت معاملات کے لیے ایک کارآمد ہتھیار رہی ہے۔

بقول حالی:-

" جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی موثر اور دلکش تقریر کرتا تھا، قبیلہ عرب کے لوگ اس کو شاعر جانتے تھے۔"

اردو کو مغرب سے قربت سرسید احمد کی تحریروں سے حاصل ہوئی تھی۔ اردو تنقید کی ابتدا "مقدمہ شعر و شاعری" سے ہوئی ہے۔ حالی کی تنقید گرچہ اردو کی پہلی تنقید ہے۔ لیکن جدید اردو تنقید کے آغاز کا سہرا جناب محمد حسین آزاد کے سر ہے۔ جنہوں نے پہلی بار اردو تنقید کو مغرب سے متاثر ہو کر سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کتاب "آب حیات" جدید و قدیم کا سنگم ثابت ہوئی ہے۔

Sem Four - III

Paper - VIII



# ادب اور تنقید

محمد حسین آزاد نہ صرف اردو کے ایک اہم اور جلیل نقاد ہیں بلکہ تاریخی اعتبار سے انہیں اولیت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے تنقیدی موقف کا اظہار "مقدمہ شعر و شاعری" سے کئی برس قبل ۲۶ سال پہلے ۱۵ اگست ~~۱۸۶۷ء~~ میں انجمن پنجاب کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا۔ یہ "آب حیات" اور "سخندان فارس" "مقدمہ شعر و شاعری" سے پہلے منظر عام پر آ چکی تھیں۔ تاہم حالی کو اولیت کا باب اس وجہ سے دی جاتی ہے کہ اردو میں نظری تنقید کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے باوجود بعد کے نقادوں نے ان کو کافی نہیں سمجھا۔

حالی کے متعلق کلیم الدین احمد فرماتے ہیں کہ:

"حالی کے خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ناکافی، تمیز ادنیٰ، دماغ و شخصیت اوسط، یہ تھی حالی کی کائنات۔"

لیکن اتنا سخت فیصلہ سنانے کے بعد خود کلیم الدین احمد فرماتے ہیں:

"وہ تنقید کے بانی بھی ہیں اور اس وقت کے بہترین نقاد بھی۔"

کلیم الدین احمد کے بیان کا تضاد ایک عجیب بات ہے جبکہ ڈاکٹر عبادت بریلوی فرماتے ہیں:

"حالی پہلے نقاد تھے جنہوں نے مادہ اور خیال کے تعلق کو محسوس کیا اور اس کے منطقی نتیجے پر زور دیا"

بے شک حالی اور سر سید کی اصلاحی تحریک نے اردو ادب کو نئی زندگی عطا کی مجلس سیاست کی ابتری کے دور میں ماتمی لب و لہجہ میں پورے سکینوں سے کہانیاں لکھی جا رہی تھیں۔ حالی اور سر سید کی تحریک سماجی تبدیلی کی علم بردار تھی لیکن یہ تحریک ۱۹۰۷ء سے ادبیت ہی کا ہدف بن گئی۔ جب علامہ شبلی اور اکبر الہ آبادی وغیرہ مذکورہ تحریک کی مخالفت میں سامنے آئے۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال کا دور آیا جن کی کوشش سے دونوں طبقوں میں توازن قائم ہو گیا۔

جب بیسویں صدی کے طلوع ہوتے ہی "زوال مغرب" شروع ہوئی، اقبال نے بھی اس زمانہ میں "شاخ نازک" کی پھبتی کسی۔ نو آبادیات کی جنگ سے پیدا ہونے والی لوٹ کھسوٹ اور جنگ عظیم اول، دوم نے مغرب کو پوری طرح تہذیب سے غائب کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد روس میں اشتراکی انقلاب رونما ہوا۔ اس انقلاب کا اثر ادبی کاوشوں پر بھی رونما ہوئی۔ اشتراکی ادب اور تنقید کا وجود ہوا۔ جس نے سماجی طبقاتی آویزش اور دولت کی مساوی تقسیم کا نظریہ پیش کیا۔ ایک اشتراکی ادیب ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے "ادب اور انقلاب" کے موضوع پر ایک ایسا مضمون لکھا ہے جو اشتراکی ادب کی نمایاں مثال ہے۔

"ادب کا اولین فرض یہ ہے کہ دنیا سے قوم، وطن، نسل، رنگ اور طبقہ و مذہب کی تفریق کو مٹانے کی تلقین کرے اور اس جماعت کا ترجمان ہو جو اس نصب العین کو سامنے رکھ کر عملی اقدام کر رہی ہو۔"

اشتراکی ادب خواہ سجاد ظہیر کی ہو یا سردار جعفری کی ان تمام حضرات نے مشترکہ طور پر ادب کو طبقاتی جنگ میں آلہ حرب بنانے کی کوشش کی ہے۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک اشتراکی ادیبوں کا زور رہا۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد جب اردو ادب نے خود کو مربوط اور منظم کرنے کی کوشش ابتدائی تو اس وقت ثقافتی اور تہذیبی جڑوں کی تلاش میں خود کو اجاگر کرنے کی طرف بھرپور توجہ کی گئی۔ اس ضمن میں سوچ کے کئی زاویے ابھرے۔ بعض ناقدین نے اسلامی تہذیب کے حوالے سے اردو ادب کی جڑوں

# ادب اور تنقید

کا ذکر چھیڑا اور تاریخی اعتبار سے ان نکات کو واضح کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کیا جہاں اسلامی تہذیب سے ہندی تہذیب کی ٹکراؤ تھی۔

محمد حسن عسکری نے روایت کی بازیافت کا سوال اٹھایا جو مابعد الطبیعیات کے نظریے کی حامل تھی۔ رفتہ رفتہ دنیا اشتراکیت اور سرمایہ داری کی حامل دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اسی فضا میں اردو ادب اور اس کی تنقید بھی کروٹیں لیتی رہی۔ ۱۹۶۰ء میں اردو تنقید میں امتزاجی رویہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یعنی ادب پارے کی پرکھ کے سلسلے میں محض عمودی یا محض افقی پہلوؤں پر زور دینے کی بجائے دونوں سے استفادہ کی ضرورت پیدا ہونے لگی تھی۔

حلقہ ارباب ذوق کی تنقید جو اول اول مغرب کی "نئی تنقید" کے تابع ہو کر تخلیق کو ایک منفرد اور خود مختار اکائی کے طور پر سمجھنے اور لفظ سے پھوٹنے والے معانی کی فراوانی کا احساس دلانے کے ابہام کو ایک خود مختار اکائی کے طور پر سمجھنے اور لفظ سے پھوٹنے والے معانی کی فراوانی کا احساس دلانے کے ابہام کو ایک قدر کے طور پر پیش کرنے اور مصنف کے بجائے تصنیف کو مرکز نگاہ بنانے پر مصر تھی اور تخلیق کو تاریخی سوانحی یا سماجی و معاشی تناظر میں دیکھنے کے خلاف تھی۔ اب اس میں عمودی آگاہی کے عنصر کا اضافہ ہوا۔

ایک دور وہ بھی آیا جب نئی تنقید پر سٹرکچرلسٹ تنقید کے حملوں کی ابتداء ہوئی جو امتزاجی اسلوب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسی طرح جب ترقی پسندوں کے یہاں انتہا پسندانہ رویہ میں اعتدال کی صورت پیدا ہوئی تو ادبی قدروں کی اہمیت دینے کا آغاز ہوا اور ادب پارے کے لئے فن کی میزان پر پورا اترنا ضروری متصور ہونے لگا۔ یہ تبدیلی محض شدت پسندی اور انتہا پسندی کے تحت سرزد ہونے والی ان غلطیوں کے اعتراف ہی کا نتیجہ نہیں تھی جس کا اعتراف محمد ممتاز حسین نے اپنے حالیہ ایک بیان میں کیا ہے۔ بلکہ عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں سے منسلک تھی۔ آج اشتراکی تحریک کا جنازہ نکل چکا ہے۔ لینن کی دنیا ستر برسوں کے بعد دفن کی جا چکی ہے۔ آنے والے ایام میں ادب اور تنقید کی ایک نئی روشنی کے نمودار ہونے کے امکانات ہیں۔ ایک نئی دنیا ابھرنے والی ہے۔ اکیسویں صدی کا نمودار ہونے والا سورج نئی روشنی کی طرف دستک دے رہا ہے۔ ادب اور تنقید کا رشتہ ایک دوسرے کے لئے ناقابل تقسیم ہے۔ تنقیدی شعور اگر فن پر حاوی ہو جاتا ہے تو کامیابی کے ساتھ ادب کی تخلیق ممکن ہو جاتی ہے۔ تجربات، مشاہدات، احساسات، الفاظ اور اسالیب کے ذریعہ قدم قدم پر فنکار یا ادیب اپنی کیفیتوں کی صحیح ترسیل کے لئے مناسب اظہار کی جستجو میں منہمک نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے ملحوظ تنقید تخلیقی عمل کے بہتر اور مکمل مطالعہ کے لئے ہی مفید ثابت ہوتا ہے۔